ڈاکٹر عبید اقبال عاصم*

ڈاکٹر عابداللہ غازی

(۱۹۳۶ء-۲۰۲۱ء)

ضلع سہارنپور میں ایک چھوٹا سا قدیم قصبہ انبہٹہ ہے جو اپنے نامور علماء وفضلاء ومشائخ کی نسبت کی وجہ سے ''انبہٹہ پیرزادگان'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس قصبہ کی بنیاد فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس کے وزیر سعد اللہ بیگ نے ۷۴۱ھ (مطابق ۱۳۴۰ء) میں فوج کے پڑاؤ کے لیے رکھی تھی۔ زرخیز آب وہوا کے باعث کثرت پیداوار نے اسے دیگر علاقوں سے ممتاز کردیا جس کی وجہ سے اس کا نام ''انباٹا'' رکھا گیا جس کے معنی چمڑے کی اس مشک کے ہیں جس میں غلہ بھر کر محفوظ کیا جاتا ہے۔ غالباً یہ علاقہ شاہی فوج کے غلّے کے ذخیرے کے لیے مخصوص کردیا گیا ہوگا اس کا نام انباٹا کردیا گیا جو بعد میں بگڑ کر انبہٹہ ہوگیا۔

اس گاؤں کی دوسری وجہ تسمیہ ''انبہ ہٹ'' کہی جاتی ہے۔ ''انبہ'' آم کو کہا جاتا ہے اور ''ہٹ'' بازار یا منڈی کے معنی میں مستعمل ہے۔ آموں کی کثرت پیداوار اور تجارت کی وجہ سے ''انبہ ہٹ'' کثرت استعمال سے ''انبہٹہ'' ہوگیا۔ بہر حال وجہ تسمیہ میں اختلافات کی گنجائش کے باوجود اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ خطہ ابتداء سے ہی علم وفضل کا گہوارہ رہا ہے۔ اگرچہ اس کے ابتدائی حالات کے بارے میں تاریخ خاموش ہے لیکن آثار بتاتے ہیں کہ یہ بستی ابتدائے قیام سے ہی زرخیزی کے ساتھ مردم خیز بھی رہی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں فیروز شاہ کے زمانہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی نسل سے وابستہ ہندوستانی انصاریوں کے مورثِ اعلیٰ حضرت خواجہ قاضی شمس الدین ولایت ہرات سے انبہٹہ وارد ہوئے اور انھوں نے دین کی ترویج واشاعت کے لیے سنجیدہ اور شعوری کوششیں شروع کیں۔ بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ انبہٹہ اور اس کے قرب وجوار کی زمین بادشاہِ وقت نے خواجہ صاحب کو ہدیہ کردی تھی تاکہ وہ غم روزگار سے نجات پاکر کلی طور پر اپنے کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کردیں۔ خواجہ شمس الدین کی کوششیں نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔ اسی سلسلہ سے منسلک انبہٹہ میں ایک برگزیدہ شخصیت شاہ ابوالمعالی (متوفی ۱۱۱۶ھ) کی بھی نظر آتی ہے جنھوں نے علم وعمل، اخلاص ومحبت اور تصوف وروحانیت کا وہ چراغ روشن کیا جس کے نور سے انبہٹہ اور قرب وجوار کی فضا آج بھی منور ہے۔

اس مردم خیز سرزمین نے اور بھی متعدد ایسے نامور علماء وفضلاء پیدا کیے جن کی ناموری وشہرت ملک وبیرون ملک پہنچی۔ ان میں قاضی محمد سالار، مولانا سخاوت علی، مولانا صدیق احمد، مولانا مشتاق احمد، مولانا خلیل احمد سہارنپوری (صاحب تصنیف بذل المجہود) مولانا انصار علی، ان کے صاحبزادے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اولین ناظم دینیات مولانا عبداللہ

* وادیِ اسماعیل، نزد مسجد ابراہیم، دودھپور، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲ (یوپی) انڈیا— موبائل: 9358318995، ای میل: ubaidiqbalasim@gmail.com

انصاری، ان کے فرزند مجاہد حریت مولانا محمد میاں منصور انصاری، ان کے فرزند نامور صحافی مولانا حامد الانصاری غازی اور پھر ان کے فرزند ڈاکٹر عابد اللہ غازی کی وجہ سے اس چھوٹی سی آبادی کو بہت زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا محمد میاں منصور انصاری مرحوم کے پوتے اور مولانا حامد الانصاری غازی کے سب سے بڑے صاحبزادے عابد میاں (عابداللہ غازی) کو اگر دادا کے حسین خوابوں کی تعبیر اور باپ کے فکری تخیلات کا پیکر مجسم کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ آپ کی پیدائش ۱۹۳۴ء کے اواخر یا ۱۹۳۵ء کے اوائل میں ہوئی۔ ہائی اسکول کی سرٹیفکیٹ میں ان کا سال پیدائش ۱۹۳۶ء درج ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم و تربیت اسی ماحول میں ہوئی جو اس وقت شرفاء کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم انبہٹہ کے مدرسہ قاسم العلوم میں حاصل کی۔ والدہ کے انتقال کے بعد آپ کو ان کے ایک نانیہالی عزیز کے پاس، میاں والی (بہاولپور، موجودہ پاکستان) بھیج دیا گیا، جہاں آپ نے کچھ عرصہ رہ کر ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دینی علوم کی تحصیل کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں سے آپ نے بہت زیادہ اکتساب فیض کیا۔ درس نظامی کی بہت سی کتابیں آپ نے باقاعدہ پڑھیں لیکن ضابطہ کے مطابق سند فضیلت حاصل نہ کر سکے۔ اس کی وجہ آپ کی جدتِ طبع تھی جو بچپن سے ہی تعلیم کے قدیم چلن کو تبدیل کرنے کو بے چین تھی۔ گھر کے عام دینی و مذہبی ماحول سے بے غرض ہو کر آپ نے تعلیم کے میدان میں انقلاب لانے کا عزم کیا جس کا اظہار آپ نے اپنے والد سے کیا جو ان دنوں بجنور میں تھے۔ مولانا حامد الانصاری غازی نے ''طفل مکتب'' کے عظیم منصوبوں پر غور کیا تو ان کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دیوبند میں ہی انگریزی و عصری مضامین کی تدریس کا انتظام کر دیا۔ دینی مدارس کے طریقۂ تعلیم سے منحرف عابد اللہ غازی نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ ایک عظیم منصوبہ کے تحت علوم عصریہ کی تحصیل کی طرف مائل ہو گئے جس کے لیے انھیں دیوبند کو خیر باد کہنا پڑا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''علوم جدیدہ'' کی ''آمیزش'' کے بغیر کسی ''فکری مذہبی کام'' کو انجام دینا فی زمانہ ''کارے دارد'' کے مصداق ہے۔ اسی غرض سے آپ نے عصری علوم کی طرف توجہ کی اور اپنے والد مولانا حامد الانصاری غازی (سابق مدیر مدینہ، بجنور) کے پاس چلے گئے۔ والد صاحب نے انھیں ان کے ذہن کے مطابق بجنور کے ایک اسکول میں داخل کرا دیا جہاں سے آپ نے کچھ درجہ تعلیم حاصل کی اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی چلے گئے۔ وہاں سے ۱۹۵۱ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔ اس کے بعد آپ کے والد نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی سرپرستی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ دلا دیا، جہاں آپ نے تقریباً ایک دہائی تک یونیورسٹی کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ فطری ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر آپ یونیورسٹی کے ممتاز ترین طلبہ میں شمار ہوئے۔ آپ نے علوم سیاسیات اور تھیالوجی میں ایم۔اے۔ کرنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کے مسائل میں بھی دلچسپی لی جس کی وجہ سے طلبہ کے اسلامی حلقوں اور مذہب بیزار طبقوں میں یکساں طور پر مقبول و مشہور رہے۔ اسی باعث آپ ۱۹۵۸ء-۱۹۵۹ء میں اے۔ایم۔ یو۔ اسٹوڈنٹس یونین کے عہدۂ صدارت پر بھی فائز ہوئے۔ آپ نیشنل کونسل آف یونیورسٹی اسٹوڈنٹس آف انڈیا کے صدر بھی منتخب ہوئے۔

علی گڑھ سے فراغت کے بعد دہلی تشریف لے گئے جہاں رہ کر ۱۹۵۹ء-۱۹۶۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ اور ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء دہلی کالج، دہلی یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ تدریس سے وابستگی نے آپ کے روزگار کے مسائل

کافی حد تک حل کر دیے تھے لیکن آپ کی خواہش تھی کہ تعلیمی مراحل طے کرنے کے لیے اس کی ممکنہ ارتقائی منازل تک رسائی ہونی چاہیے۔ اسی غرض سے آپ ۱۹۶۳ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن اسکول آف اکنامکس تشریف لے گئے جہاں سے آپ نے ایم.ایس سی. کیا۔ ایم.ایس سی. میں کامیابی کے نتیجہ میں آپ کو ہارورڈ یونیورسٹی سے فیلوشپ ملا، جس کی تکمیل کے لیے آپ امریکہ تشریف لے گئے۔

دہلی کی ملازمت کے دوران ۱۹۶۳ء میں آپ کی شادی الہ آباد کے مشہور وکیل بشیر الزماں خاں صاحب مرحوم کی صاحبزادی تسنیمہ خاتون سے ہوئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی تعلیمی ترقیوں میں ''نصف بہتر'' نے اہم کردار ادا کیا تو بے جا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ تسنیمہ غازی سے شادی کے بعد آپ کی فکر کو مزید تقویت ملی اور آپ نے شریکِ حیات کے مشوروں سے اپنے عزائم کو بہ روئے کار لانے کے لیے تمام مشکلات کی پروا کیے بغیر ''سات سمندر پار'' کا سفر طے کیا۔ ۱۹۶۷ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کی فیلوشپ پر آپ امریکہ تشریف لے گئے تو کچھ عرصہ بعد محترمہ تسنیمہ غازی صاحبہ بھی امریکہ تشریف لے گئیں۔ ۱۹۷۵ء میں آپ کے ''تقابل ادیان'' سے متعلق علمی و تحقیقی کام کو سراہتے ہوئے ہارورڈ یونیورسٹی نے آپ کو ''ڈاکٹر'' کے لاحقہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اپنی صالح و مثبت فکر، علمی و تحقیقی مزاج کے پیش نظر آپ کو لندن، ہارورڈ اور سعودی عرب کی بہت سی یونیورسٹیوں میں تدریس کے مواقع ملے، جنھیں آپ نے ذمہ دارانہ طریقہ سے انجام دیا۔

مختلف ہندوستانی حکومتوں نے انھیں بہت سے اعلیٰ مناصب اور عہدوں کی پیش کش کی خصوصاً ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے تو صدر جمہوریۂ ہند بننے کے بعد عابد صاحب کو ایک بڑا منصب دینے پر بہت اصرار کیا لیکن آپ نے اس پیش کش کو محض اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ وہ تعلیمی میدان میں کچھ خدمت انجام دینا چاہتے تھے۔ ہندوستان کے سابق وزیر اعظم وی. پی. سنگھ نے انھیں ذاتی طور پر ہندوستان آنے کی دعوت دی اور بڑے عہدے کی پیش کش کی، لیکن آپ نے اسے بھی شرف قبولیت نہیں بخشا۔

عابداللہ غازی صاحب کے پردادا مولانا عبداللہ انصاری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کی ذہنی و فکری تربیت کے لیے بانی درس گاہ سرسید احمد خاںؒ کی ایماء پر ۱۸۹۳ء میں اس وقت مامور ہوئے تھے جب یہ ادارہ ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج'' کہلاتا تھا۔ ان حالات میں ایم.اے.او. کالج میں کسی ایسے عالم کا آنا جو خالصتاً مذہبی ادارہ کے بانی کی ذریت میں سے ہو اور جن کی فکر میں بعد المشرقین پایا جاتا ہو، ناممکن الوقوع تصور کیا جاتا تھا لیکن اپنی خاندانی روایات سے انحراف کرتے ہوئے مولانا عبداللہ انصاری نے اس ادارے کے طلبہ کی دینی رہنمائی کا فریضہ اپنے طریقہ پر انجام دیا۔ انھوں نے دینی و دنیاوی علوم میں پائے جانے والے خلیج کو پاٹنے کے لیے اپنی زندگی وقف کی اور عصری و دینی اداروں کے حسین امتزاج کے لیے ''پُل'' کا کام کیا۔ عابداللہ غازی صاحب کے پیش نظر پردادا کی اس روش کو موجودہ حالات کے تناظر میں آگے بڑھانا ایک اہم فریضہ تھا جسے پورا کرنے کے لیے انھوں نے کچھ اہداف متعین کیے۔ اس کے بعد والی نسل میں آپ کے دادا مولانا محمد میاں منصور انصاری تھے جنھوں نے دنیا کے مختلف ممالک میں فکری انقلاب لانے کی کوششیں کرتے ہوئے اپنی زندگی کے آخری دس سال افغانستان میں دینی اور عصری علوم کی جدید کاری میں صرف کیے تھے اور کوشش کی تھی کہ نئی نسل قرآن مجید کو اپنا راہ نما مانتے ہوئے سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا ہدف بنائے اور وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی سرگرم رہے۔ دادا کی خواہش کو پوری کرنے کے لیے ضروری تھا کہ

خاندان کی متحرک اور فعال شخصیات ان خدمات کے لیے اپنی زندگی وقف کریں چنانچہ عابد صاحب نے اپنی زندگی اس مشن کے لیے وقف کردی۔

شکاگو میں رہتے ہوئے آپ نے ۱۹۸۳ء میں اقراء انٹرنیشنل ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کی بنیاد ڈالی، جو الحمد للہ آج تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ عابداللہ غازی صاحب کے منصوبوں میں اسلامی تعلیمات پر تحقیقی کاموں کے علاوہ، ایسے اسلامی نصاب کی تیاری کو پایۂ تکمیل کو پہنچانا تھا جو نئی نسل کے ذہن سے قریب تر ہو اور جس کو مطالعہ کرنے کے بعد طلبہ اسلام سے قربت محسوس کر سکیں، اور ان میں اسلام کے تئیں لگن اور دلچسپی پیدا ہو۔ عابد صاحب نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا۔ الحمد للہ یہ نصاب تیار ہوا۔

مغربی ملکوں میں عصری علوم حاصل کرنے والے مسلم بچوں و بچیوں کی دینی ذہن سازی کے لیے انھوں نے جو سلسلہ وار تاریخی نصاب تیار کیا وہ ایک سو پچاس سے زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔ شستہ انگریزی زبان میں بچوں کی دماغی نشو و نما کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان تیار کردہ اسلامی نصابی کتابیں صرف طلبہ کو ہی متاثر نہیں کرتیں بلکہ اگر انھیں اسلام کے تعارف کا پیش خیمہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیوں کہ بہت سے غیر مسلم حضرات بھی اسے پڑھنے کے بعد اسلام سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے۔ غازی صاحب کی تیار کردہ یہ کتب نہ صرف امریکہ میں بلکہ دنیا کے بیش تر ممالک میں مقبول ہوئیں اور بیش تر عصری اسکولوں میں داخلِ نصاب ہیں۔

غازی صاحب کی ایک سو پچاس سے زائد نصابی، غیر نصابی، ادبی و تحقیقی تالیفات میں سے بعض انگریزی کتب "Muhammad Rasoolullah The Last Prophet" (محمد رسول اللہ دی لاسٹ پروفیٹ)، "Our Prophet Muhammad S.A.W." (اور پروفیٹ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)، "We are Muslims" (وی آر مسلمس)، "Teachings of the Quran" (ٹیچنگس آف دی قرآن) وغیرہ جیسی کتب نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی جس کے ذریعہ غیر مسلم طبقے میں اسلام، قرآن اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف بھی ہوا اور اسلام کی صحیح تصویر سامنے آئی۔ وہیں ان کی اردو کتب ''صریر خامہ''، ''انقلاب''، ''ذکر سمن عذاران'' اور ''خود نوشت سوانح''، ''جہد مسلسل'' نے اردو ادبی حلقوں میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کی۔

اقراء انٹرنیشنل ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے زیر انتظام تیار کردہ یہ اسلامی نصاب نہایت مقبول ہوا جو دنیا کے چالیس ممالک کے ان اسکولوں اور کالجوں میں جہاں اسلام میں دلچسپی محسوس کی جاتی ہے، داخلِ درسیات ہے۔ اس میں آپ کی اہلیہ ڈاکٹر تسنیمہ خاتون صاحبہ کی غیر معمولی معاونت بھی شامل ہے جنھوں نے بچوں کی تعلیمی نفسیات پر امریکہ سے ہی تعلیم و تربیت کے موضوع پر پی ایچ. ڈی. کی ہے۔

عابداللہ غازی نے جہاں اپنی مذہبی شناخت کو متعارف کرایا وہیں اپنی علمی درس گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو بھی فراموش نہیں کیا۔ اس ادارہ سے انھیں قلبی لگاؤ تھا۔ اسی تعلق کے مدِ نظر انھوں نے اکیسویں صدی کے آغاز (۲۰۰۰ء میں) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پہلو میں ایک علمی ادارہ ''اکیڈمی آف ساؤتھ ایشین اسٹڈیز'' (ASAS) کی بنیاد رکھی جس کا مقصد جنوب ایشیائی خطے میں مشہور علماء و دانش وران کی سیاسی، سماجی، علمی و تحریکی خدمات کا جائزہ لینے کے علاوہ امریکہ میں رائج اسلامی نصاب کا اردو و ہندی زبانوں میں ترجمہ کرا کر اس نصاب کو ہندوستان کے دینی و عصری اداروں میں رائج کرنا تھا لیکن افسوس کہ بہت سی جانی انجانی وجوہات

کی بنا پر ان کی یہ خواہش ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' کے مانند پروان نہ چڑھ سکی جس کا اثر عابد صاحب کی طبیعت پر مسلسل محسوس کیا گیا۔

گزشتہ چار پانچ برس قبل تک وہ علی گڑھ باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ تشریف لاتے تھے تو اپنے اس کرب کا جو انھوں نے ''اساس'' کی ناکامی سے محسوس کیا تھا، اظہار کیے بنا نہیں رہتے تھے۔ البتہ ممبئی میں انھوں نے اقراء ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی جو بنیاد قائم کی تھی الحمدللہ وہ ترقی پذیر ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی سلمان منصور صاحب اور ان کی شریکِ حیات عظمیٰ ناہید صاحبہ اس ادارے کو آگے لے جانے کے لیے مسلسل سرگرم عمل ہیں۔

عابد اللہ غازی صاحب گزشتہ تین چار سالوں سے مختلف امراض کا شکار ہونے کے باعث ہندوستان کا سفر نہیں کر سکے۔ اپنے علمی کاموں کی تکمیل کے لیے شکاگو میں ہی ان کا قیام رہا۔ جب کبھی کام کی زیادتی کو محسوس کرتے تو اپنی ہمشیرہ شہناز کنول صاحبہ اور اپنے چھوٹے بھائی سلمان منصور صاحب کو امریکہ بلا لیتے۔ وہ تمام چیزوں کو احاطہ کرتے ہوئے جدید ذرائع ابلاغ کے سہارے عابد صاحب کی خواہش کی تکمیل کرتے۔ اب تقریباً تین چار ماہ سے مسلسل ان کی بیماری کی زیادتی کی تشویش ناک خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ دل سے یہی دعا نکلتی تھی کہ اللہ تعالیٰ عابد بھائی کو طویل عمر عطا فرمائے۔ خواہش تھی کہ موصوف ایک دفعہ پھر علی گڑھ آکر بزمِ علم وادب سجائیں لیکن ''نقارۂ اجل'' نے کسی خواہش پر دھیان نہیں دیا اور ۱۱؍اپریل ۲۰۲۱ء کی دوپہر کو یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ ڈاکٹر عابد اللہ غازی صاحب اپنے مستقر (شکاگو، امریکہ) میں رختِ سفر باندھ کر راہیِ دارِ بقا ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

تعلیمی، تحقیقی، تصنیفی وتحریکی مصروفیات کے باوجود مرحوم انتہائی باوضع، خوش اخلاق، مرنجا مرنج، باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس نے کئی نسلوں سے برصغیر کی علمی رہنمائی بھی کی اور عملی رشد وہدایت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ان کے دادا مولانا محمد میاں منصور انصاری کے نانا تھے تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اوّلین ناظمِ دینیات مولانا عبداللہ انصاری ان کے پردادا۔ جذبۂ حریت سے سرشار اور اس کی تڑپ میں اپنی زندگی وقف کردینے والے مولانا محمد میاں منصور انصاری ان کے دادا تھے تو اُن کے والد مولانا حامد الانصاری غازیؒ ہندوستان کے ان معروف صحافیوں میں شمار ہوتے تھے جنھوں نے اپنی تحریروں سے ایک نسل کی فکری آبیاری کی۔ اگر غازی صاحب کو ''سلسلۃ الذہب'' کی ایک ایسی کڑی کہا جائے جس نے مشرق ومغرب کے مزاج کو سمجھ کر اور خوب جانچ پرکھ کر اسلامی تعلیمات کی تبلیغ وترویج کا سلسلہ قائم کیا تو مناسب ترین ہوگا۔ آج وہ ہمارے درمیان سے چلے گئے تو احساس ہوتا ہے کہ ؎

کتنے عالم ہیں جو غنچے پہ گزر جاتے ہیں
تب کہیں جا کے وہ رنگین قبا ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے عابد صاحب کو صالح اولاد سے نوازا ہے۔ بشریٰ یاسمین غازی، راشد منصور غازی، صبا تسنیم غازی، صہیب حامد غازی اور اسامہ حمید غازی آپ کی لائق اولاد ہیں جو مولانا محمد میاں کے بنائے ہوئے خاکوں میں رنگ سازی میں مصروف ہیں اور اعلیٰ تعلیم کے بعد امریکہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ عابد صاحب کے ماشاء اللہ بہت سے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی ہیں۔

☆☆☆